پانچ مسائل

نورِ بشر، علمِ غیب، حاضر ناظر، مختارِ کل، اِستعانت

مولانا مفتی احمد ممتاز

تلمیذ

فقیہ العصر مرجع الخواص محقق وقت

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی

کتب خانہ مظہری

گلشنِ اقبال۲ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲ کراچی فون ۴۶۸۱۱۲-۴۹۹۲۱۷۶

پانچ مسائل

نور و بشر | علم غیب | حاضر ناظر

استعانت و پکار | مختار کل

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (ابراہیم)

پکار کے لائق صرف اللہ

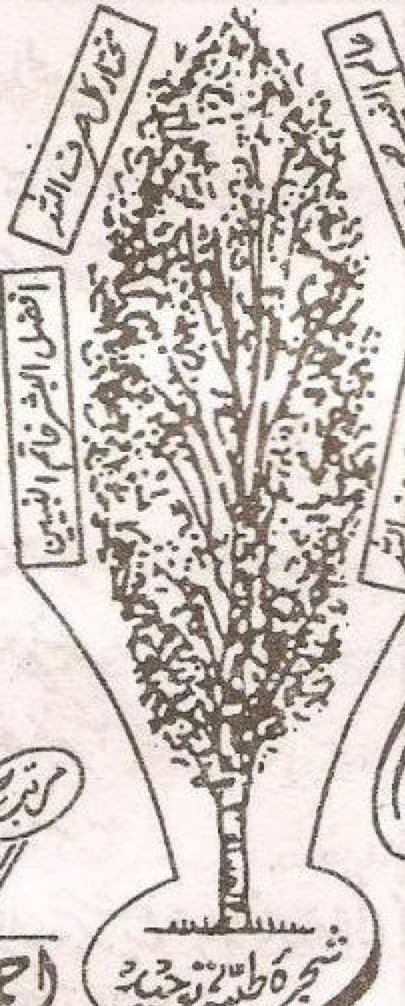

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ

مرتب

احمد ممتاز

تلمیذ

فقیہ العصر مرجع الخواص محقق وقت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس ۱۱۸۲ کراچی فون ۴۶۸۱۱۲-۴۹۹۲۱۷۶

فہرست

عنوان	صفحہ
تمہیدی گفتگو	۶
ان اقسام ثلٰثہ میں سے افضل کون ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ	۷
علامہ ابن الملک اور صاحب المصابیح کا فیصلہ	۹
دلائل بر افضلیتِ بشر	۱۰
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ	۱۱
اصل مسئلہ	"
ذیل میں اس جواب کے دلائل ملاحظہ ہوں	۱۲
اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم	۱۸
فقہ حنفی	۱۹
تصریحات علماء	"
لمحۂ فکریہ	۲۰
لطیفہ	۲۲
ظل الحبیب	۲۳
سایہ کا ثبوت قرآن سے	"
نوری مخلوق کا سایہ	۲۵
مسئلہ علم غیب	۲۶
ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذہب	۳۰
واقعہ نمبر ۱	۳۲
واقعہ نمبر ۲	۳۳
واقعہ نمبر ۳	۳۴
پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ	۴۶
عبارات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ	۴۷
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	۴۹
اشکال	۵۰
مسئلہ حاضر ناظر	۵۲

عنوان	صفحہ
اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کے دلائل	۵۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جا حاضر ناظر ہونے پر دلائل	۵۵
پہلا دور اور دلیل	۵۶
دوسرے دور کی دلیل	۵۷
عقل سلیم کی باتیں	۶۰
دورِ ثالث کی دلیل	۶۲
ایک مغالطہ اور اسکا جواب	۶۳
مسئلہ استعانت و پکار	۶۵
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب وعقیدہ	۶۶
حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کو پکارا	۶۸
حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لئے صرف اللہ کو پکارا۔	۶۹
حضرت ایوب علیہ السلام نے بھی مصیبت میں رب العالمین کو پکارا تھا۔	"

عنوان	صفحہ
مسئلہ مختار کل	۶۹
تمام خزانوں کا مالک و متصرف صرف اور صرف اللہ ہے۔	۷۰
تصرفات کے اختیار میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔	۷۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان کہ میں نفع ونقصان کا مالک نہیں	"
بیٹا بیٹی دینے والا کون	۷۲
مخلوق بے بس ہے	۷۳
ارشاد اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب	۷۵
بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	"
علم غیب	"
حضرت مولانا دیدار علی شاہ بریلوی کا ارشاد حاضر وناظر کے بارے میں۔	۷۸
ارشاد پیر مہر علی شاہ صاحب کہ متصرف اور مدبر صرف اللہ ہے۔	۷۹

www.Ahlehaq.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الارض فراشا للبشر وامر المخلوق النوری ای الملائکۃ ورئیس الناری ای ابلیس ان یسجد والترابی ای البشر وختم علی افواہ اعداء البشر بامرہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ قل انما انا بشر مثلکم وبقولہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب وبقولہ قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر وبقولہ قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احدا قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا وافضل الصلوٰت والتسلیمات علی من قلع دابر الشرک والکفر والبدعۃ وھدی الناس الی الملۃ البیضاء القیمۃ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم افضل البشر وسیدھم وخاتم الانبیاء وعلی الہ واصحابہ اجمعین، اما بعد

ناظرین کرام!

اس بات کا اعتراف ہر ایک کو ناگزیر ہے کہ اس دورِ پُرفتن میں سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگوں کے اساسی اور بنیادی عقائد کی دفاع کی جائے، شرک و کفر کے دلدل میں گرنے سے ممکن حد تک بچاؤ کی کوشش کیجائے، سادہ لوح مسلمانوں کو کمند نفس میں جکڑے ہوئے نام نہاد گدی نشینوں، پیروں اور مولویوں کے شکنجہ سے آزادی دلاکر قرآن و سنت کے شیدائی بنانے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔

اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے علماءِ حق نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق بڑی بڑی ضخیم کتابیں تحریر فرمائیں، عقائد کے تمام مسائل پر سیر حاصل بحث کی، اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور ان کو جزاءِ خیر عطا فرمائیں۔

چونکہ ان حضرات کی کتابوں سے قلیل الفرصت حضرات کے لئے نفع حاصل کرنا دشوار تھا، دنیا کے مشاغل سے اتنی موٹی کتاب کے مطالعہ کی فرصت کہاں، اس وجہ سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ان کتابوں کا نچوڑ بطور خلاصہ عام فہم انداز میں پیش کیا جائے، تاکہ ہر ایک کے لئے اس سے مستفید ہونا سہل و آسان ہو جائے۔

بندہ نے سرِ دست رسالہ بنام "پانچ مسائل" کو بتوفیق ایزدی ترتیب دیا ہے جس میں نور و بشر، علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل اور غیر اللہ سے استعانت پانچوں مسائل ہیں۔ اور ہر مسئلہ کو دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے۔

نیز بعض مسائل کی ابتداء میں کچھ تمہیدی گفتگو اور آخر میں کچھ اشکالات اور دلائل کے اختتام پر فوائد کے نام سے کچھ ایضاحات کے ذریعہ اہل خرد و عقل کو دعوتِ فکر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو ٹھنڈے دل سے ان پر سوچنے اور فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس سعی ناتمام کو قبول فرما کر بھٹکے ہوئے بے شمار انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیں۔ آمین ثم آمین

احمد ممتاز عفی عنہ

www.Ahlehaq.com

تمہیدی گفتگو

اللہ تعالیٰ خالق ہے اور پوری کائنات مخلوق، اور مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔ ذوی العقول (عقل والی مخلوق) اور غیر ذوی العقول (بے عقل)

پھر ذوی العقول کی تین قسمیں ہیں، (۱) نوری مخلوق (۲) ناری مخلوق (۳) خاکی مخلوق۔

نوری مخلوق ملائکہ ہیں جو خالص نور سے پیدا کیئے گئے ہیں۔

ناری مخلوق جنات ہیں جو خالص آگ سے پیدا کیئے گئے ہیں۔

خاکی مخلوق انسان اور بشر ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ذوی العقول کی اقسام ثلاثہ کی دلیل:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خلقت الملائکة من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لکم (رواه مسلم) (مشکوٰۃ باب بدء الخلق ص۵۰۶)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کیئے گئے ہیں، اور جن آگ کے شعلے سے، اور آدم علیہ السلام

(مٹی) سے جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے صراحتہً ثابت ہو رہا ہے کہ ذوی العقول مخلوق میں سے ایک قسم نوری جس کو فرشتے کہا جاتا ہے، دوسری ناری جس کو جنات کہا جاتا ہے، تیسری خاکی جو انسان اور بشر ہے۔

ان اقسام ثلثہ میں سے افضل کون ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

عن العباس رضی اللہ عنہ انہ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانہ سمع شیئا فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ قال انا محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پس گویا کہ انھوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے بارے میں کچھ طعن تشنیع کے کلمات) سنے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(اس پر) فرمایا کہ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں،
یقیناً اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سے
سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں سے بنا دیا، پھر اس
بہتر مخلوق (یعنی انسان) کی دو جماعتیں (یعنی عرب و عجم)
بنا دیں اور مجھے ان میں سے بہتر جماعت (یعنی عرب) میں
سے بنا دیا، پھر اس بہتر جماعت (یعنی عرب) کے متعدد قبیلے
بنا دیئے اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ (یعنی قریش) میں سے
بنا دیا، پھر اس بہتر قبیلہ (یعنی قریش) کو مختلف خاندانوں میں
تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر خاندان (بنی ہاشم) میں سے بنایا
پس میں ذاتی صفات کے اعتبار سے بھی ان سب سے بہتر ہوں اور
خاندان (و نسب) کے اعتبار سے بھی سب سے افضل و بہتر ہوں۔

فائدہ: قارئین کرام! ذرا غور اور ٹھنڈے دل سے اس حدیث کو پڑھیے،
اس میں کس وضاحت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان اور بشر کو تمام
مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ گویا اس حدیث سے ایک تو بشر کا تمام مخلوق
سے افضل ہونا صراحت سے ثابت ہوا اور دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان اور بشر ہیں، بلکہ بشر کے اعلیٰ و ارفع طبقہ
میں سے ہیں۔ اور بشر کے اس طبقہ میں ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر ہے۔

افسوس! جس مقام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر اور فضیلت
کا مقام سمجھا ہے، آج کے نادان عاشق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلیٰ

وارفع مقام بشریت سے گرانے کو فخر سمجھتے ہیں۔

علامہ ابن الملک اور صاحب المصابیح کا فیصلہ

قال ابن الملک ای لایستوی البشر والملک فی الکرامۃ والقربۃ بل کرامۃ البشر اکثر ومنزلتہ اعلیٰ وھذا من جملۃ مایستدل بہ اھل السنۃ فی تفضیل البشر علی الملک۔

(وبعد اسطر) قال صاحب المصابیح فی تفسیر قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ الاولیٰ ان یقال عوام المؤمنین افضل من عوام الملائکۃ وخواص المؤمنین افضل من خواص الملائکۃ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۴۹ ج ۱۱)

ترجمہ: علامہ ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بشر اور فرشتے عظمت اور قرب میں برابر نہیں، بلکہ بشر کی عزت فرشتوں سے بہت زیادہ ہے اور بشر کا مقام ان سب سے بہت بلند ہے، اور یہ (روایت جس کے تحت مرقاۃ میں یہ تحریر موجود ہے) ان دلائل میں سے ہے جن سے اہل السنۃ فرشتوں پر بشر کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔

اور صاحب مصابیح نے فرمایا کہ عوام مؤمنین (بشر) عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص مؤمنین (بشر) خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔

فائدہ : ان عبارتوں سے بھی واضح ہوگیا کہ یہ ہمارا سب کا اجماعی عقیدہ ہے کہ بشر فرشتوں سے افضل اور بلند مقام والے ہوتے ہیں۔

دلائل بر افضلیتِ بشر

اختصار کے طور پر صرف دو دلیلوں پر اکتفار کیا جاتا ہے ورنہ انکے علاوہ اور دلائل بھی ہیں۔

دلیل اوّل :

بشر مسجود ہے اور نوری ساجد، اور مسجود ساجد سے افضل ہوتا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ (ص ۳۸ : ۷۱ تا ۷۳)

ترجمہ : جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پس جب اسے برابر کرلوں اور اس میں روح پھونک لوں پس تم اسے سجدہ کرنا، پس جمیع ملائکہ نے جمع ہوکر سجدہ کیا۔

فائدہ : نوری نے سجدہ کیا اور ناری مخلوق کے جدِّ اکبر نے تکبر کرکے سجدہ نہیں کیا اور بشر کو حقیر سمجھا تو راندۂ درگاہ بن گیا اور حقدار لعنت ہوا۔

کاش آج کے یار لوگ بھی قرآن کریم کی اس فضیلتِ بشر کو دیکھ کر بشر کو عظیم مکرم محترم سمجھتے اور اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھتے اور

عقیدہ بنا لیتے کہ بشر نوری سے افضل ہے۔

دلیل دوم:

بشر کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے فخر کا اظہار کیا، فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۔ (الرحمٰن ۵۵: ۲ تا ۴)

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن سکھایا ہے انسان کو پیدا کیا اسے بیان سکھایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ

صحیح بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل اکیس پشتوں تک نسب نامہ موجود ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ ابن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔
(صحیح بخاری باب مبعث النبی صلی

اصل مسئلہ

اس تمہید کے بعد اصل مسئلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر؟ کی طرف آتے ہیں جس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذات، نوع اور جنس کے اعتبار سے انسان، آدمی اور بشر ہیں بلکہ افضل البشر ہیں اور ہدایت کے اعتبار سے نور ہیں کہ جس طرح نور سے تاریکیاں ختم ہو جاتی ہیں اسی طرح کفر،

شرک اور گمراہی کی ظلمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے نور سے کافور ہو گئیں۔

ذیل میں اس جواب کے دلائل ملاحظہ فرمائیں

قارئین کرام چونکہ ہم نے اس رسالہ میں اختصار سے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کا قصد کیا ہے اس وجہ سے صرف دو دلیلیں قرآن کریم سے پیش کی جائیں گی۔ اور صرف دو حدیثوں پر اکتفا کیا جائے گا اگرچہ قرآن و حدیث کے دلائل اس مسئلہ پر کثیر مقدار میں ہیں۔

دلیل اوّل:

بنی اسرائیل

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۱۷ : ۹۳)

ترجمہ: کہدیجیے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں۔

فائدہ: اس آیت میں ایک سوال کا جواب ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ امم سابقہ کی طرح اہل عرب کا بھی خیال یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہو اسے ضرور ایک دیوتا ہونا چاہیئے یعنی اس میں خدائی صفات (الوہیت) کا ہونا ضروری ہے، ایک انسان کا اللہ کا رسول ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ چنانچہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے لئے حسب ذیل شرائط پیش کیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا

تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي
السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ"

(بنی اسرائیل ۱۷: ۹۳)

ترجمہ: اور انھوں نے کہا کہ ہم اسوقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ جاری کر دو یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس میں تم نہریں جاری کر دو یا جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمراہ لے آؤ یا تمہارا ایک سونے کا مکان ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور تمہارا آسمان پر چڑھنے کا بھی ہم اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ وہاں سے ایک کتاب نہ لے آؤ جسے ہم خود پڑھ لیں۔

ان کے ان مطالبات کا اگرچہ پورا کر دینا اللہ تعالیٰ کے لیے محال اور ناممکن نہیں تھا لیکن اللہ جل شانہٗ نے ان کے مطالبات میں سے کوئی ایک مطالبہ پورا کر دینے کے بجائے اپنے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان سے کہدو: سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۹۳) کہ میرا رب پاک میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں اس جواب سے یہ بتانا مقصود تھا کہ تمہارا یہ نظریہ غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول کوئی دیوتا یا الوہیت (خدائی) کا مالک ہوتا ہے بلکہ رسول تو محض ایک بشر ہوتا ہے

جو فرائض نبوت و رسالت کو سر انجام دیتا ہے کوئی دیوتا اور الٰہ نہیں ہوتا جو اپنی خدائی طاقتوں کا مظاہرہ کرتا پھرے۔

پھر اہل عرب کا خیال یہ بھی تھا کہ چلو، خدا کا رسول کوئی دیوتا نہ سہی کم از کم کوئی ایک فرشتہ اور نوری ہی ہو۔ آخر ایک بشر کو رسول بنانے کی کیا تک؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تصور باطل کی یوں تردید فرمائی،

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۴)

ترجمہ: اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو ان کو ایمان لانے سے باز نہیں رکھا مگر اس خیال نے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دو! کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر اتارتے۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے حکم فرمایا کہ آپ اپنی بشریت کا نہایت واضح الفاظ میں اعلان کر دیں اور ساتھ ہی اپنی رسالت کا بھی اعلان کر دیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ بشریت و رسالت کا اجتماع نہ صرف عین ممکن بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

وَّاحِدٌ ۔ (کہف ۱۸: ۱۱۰)

ترجمہ: کہدو کہ میں بھی تمہاری ہی طرح کا بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

دلیل دوم:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ (بقرہ ۲: ۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے پالنے والے بھیجدے انہیں ایک ایسا رسول جو انہیں سے ہو اور جو تیری آیتیں ان پر پڑھے۔

فائدہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ (الحدیث)

آیت بالا میں اس دعا کا بیان ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ جب ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے اور بیت اللہ کی تعمیر کا کام مکمل ہوا تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی۔ یا اللہ! میری اولاد (یعنی بشر) میں ایک ایسا رسول بھیج جو ان (یعنی بشر) میں سے ہو تاکہ ان پر قرآن پڑھے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ رسولاً من الملائکۃ والمخلوق النوری کہ فرشتہ اور نوری کو بھیجدے، بلکہ فرمایا ان میں سے کسی بشر کو رسول بناکر بھیج۔

اس مضمون کی دیگر آیتیں یہ بھی ہیں مثلاً

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا

www.Ahlehaq.Com

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (ال عمران) ۳ : ۱۶۴

ترجمہ : البتہ تحقیق ایمان داروں پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا جبکہ ان میں ان کی جنس سے رسول بھیجدیا۔

فائدہ : یہاں مومنین سے بشر اور انسان مراد ہیں۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ ۶۲ : ۲)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے اُمّیوں میں ان کی جنس کا رسول بھیجدیا۔

فائدہ : یہاں بھی اُمّیوں سے مراد بشر اور انسان ہیں۔

حدیث نمبر ۱ : فقال انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رائی فانما انا بشر (رواہ مسلم ص ۲۶۴/۲۷)

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر نخل سے اہلِ مدینہ کو روکا تھا تو اس سال کھجور کی فصل دوسرے سالوں کی بنسبت بہت کم ہوئی تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسمیں شک نہیں کہ میں بشر ہوں، جب میں تم کو تمہارے دین کی بات کا حکم کروں، تو تم محفوظ کر لیا کرو، اور جب میں تمکو اپنی رائے سے حکم کروں، پس جز ایں نیست کہ میں بشر ہوں۔

فائدہ : خط کشیدہ جملوں کو بار بار غور سے پڑھیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وضاحت سے اعلان فرما رہے ہیں کہ میں بشر ہوں۔ کیا قیامت تک کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح ایک ارشاد بھی پیش کرسکتا ہے جس میں بشریت کا انکار ہو؟

حدیث نمبر ۲ : عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یخصف نعله ویخیط ثوبه ویعمل فی بیته کما یعمل احدکم فی بیته وقالت کان بشرًا من البشر یفلی ثوبه ویحلب ویخدم نفسه (رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف ص ۵۱)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا سیا کرتے تھے، اپنا کپڑا سیا کرتے تھے، اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کیا کرتے تھے جس طرح تم کام کیا کرتے ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر میں سے ایک بشر تھے، بکری خود دوہتے تھے اور اپنے وجود کی خدمت کیا کرتے تھے۔

فائدہ : ہے کوئی بہادر، شیعوں کا بھائی جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بشریت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے گستاخ رسول کہہ کر... سے خارج کر کے وہابیوں کی فہرست میں داخل کرتے ہوئے وہابیہ کہے۔

کیا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تھی؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی محبت کم تھی لہٰذا گستاخی کر گئیں اور ہماری محبت زیادہ ہے لہٰذا ہم بشر کہہ کر گستاخی نہیں کرتے؟

ام المؤمنین نے تو مسئلہ ہی حل کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور بشریت کو حقارت کی نظر سے دیکھنا توہین ہے۔

راہِ حق کے طالب کیلئے ام المؤمنین کا یہی ایک ارشاد کافی ہے اگر غور کر کے عقل سے کام لیں، اور ضدی ہٹ دھرم کیلئے ہزار دلائل بھی بے سود ہیں،

اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال کنت اکتب کل شیٔ اسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا انکتب کل شیٔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضی فامسکت عن الکتاب فذکرت ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق (ابوداؤد)

"حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں جو بھی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا اسکو حفاظت کے ارادے سے لکھ لیتا تھا تو قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں کبھی غصے کی حالت میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی رضا کی حالت میں۔ تو میں لکھنے سے رک گیا پھر میں نے یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لکھیں قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے

اس منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی"۔

www.Ahlehaq.com

فقہ حنفی

ویشترط لصحة الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم معرفة اسمہ اذ لا تتم المعرفة الا بہ وکونہ بشرا من العرب (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۶۲۵)

ترجمہ : ایمان کی درستگی کی شرائط میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اس کے بغیر معرفت تام نہیں ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل عرب میں سے بشر ماننا بھی ضروری ہے۔

تصریحاتِ علماء

(۱) فمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء والرسل من البشر

(شفاء قاضی عیاض ص۱۶۵)

ترجمہ : حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بقیہ تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام بشروں ہی میں سے تھے (کوئی بھی نوری اور ناری نہیں تھا)۔

(۲) من قال انہ لم یکن بشراً آدمیاً فکل ذلک نص العلماء علی کفر قائلہ ومدعیہ۔ (مطالع المسرات ص۳۹۹)

ترجمہ : جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور آدمی نہیں تھے

تو ایسے قول کے قائل اور مدعی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور آدمی نہ جاننے والے) کے خلاف علماء نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

(۳) مولانا امجد علی اعظمی رضوی، بریلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت (بہار شریعت صد۱)

(۴) مفتی احمد یار بریلوی لکھتے ہیں: اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ کافروں سے مخاطب ہو کر یوں فرمائیں، "اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں، میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔"

(جاء الحق صد۱۶۲)

(۵) شیخ الحدیث حضرت مفتی اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی تحریر فرماتے ہیں جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا سرے سے انکار کرتے ہیں، وہ نصوص قطعیہ کے منکر و کافر ہیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اور متصف الصفات نور نہیں مانتے وہ دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ جلیلہ وجمیلہ سے غافل ہو کر گمراہی کے اندھے کوئیں میں گر جاتے ہیں۔

(بشریت و رسالت صد۷،۶)

لمحۂ فکریہ

اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے پر قرآن وحدیث اور نقہ سے کوئی دلیل نہ ہوتی تب بھی مالک خرد وعقل کے لئے ابتداء میں

جو دو باتیں بطور تمہید لکھی گئی ہیں کافی ہیں اگر ان پر ٹھنڈے دل سے سوچا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا کچھ دشوار نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان اور بشر ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ خالق ارض و سمار کی ذوی العقول مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ نوری، ناری اور خاکی اور سب سے افضل و اشرف خاکی اور بشر ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اشرف الکائنات، سرور کائنات افضل الکائنات بشر ہی کی جنس میں سے ہو سکتے ہیں کسی اور جنس سے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ نوری جنس میں ہونے سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متفقہ عظمت اور مرتبت کا انکار لازم آتا ہے۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اشرف الکائنات ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اشرف المخلوقات کی جنس میں سے ہو جو کہ بشر اور انسان ہے۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ صحیح روایات کے مطابق اکیس ۲۱ پشتوں تک انسانوں اور بشروں میں ثابت ہے تو اس سے ہر وہ شخص جو سر میں ذرا سا دماغ اور دماغ میں ذرہ برابر شعور رکھتا ہو، بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان اور بشر ہیں، نہ تو جن ہیں اور نہ نورانی مخلوق یعنی فرشتہ، ورنہ پھر اپنا نسب نامہ خاکی کے بجائے نوری مخلوق ہیں

بیان فرماتے، اذلیس فلیس، اور میں تو کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں اور بشروں میں سے ہونے پر فخر فرمایا،
مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسمٰعیل واصطفیٰ قریشًا من کنانۃ واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف ص۵۱۱)
ترجمہ: کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور اولادِ کنانہ سے قریش کو چُنا اور اولاد قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔ اور ایک روایت افضلیت بشر علی الجن والملک میں گزری ہے۔

لطیفہ

اسلام سے قبل مشرکین کا نظریہ اور آج کے عاشق کے نظریہ میں صرف تقدم اور تأخر کا فرق ہے اس کے سوا کوئی فرق نہیں۔
مشرک بشر کو مقدم اور رسول کو مؤخر کر کے کہا کرتے تھے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا ہے سورہ بنی اسرائیل میں ایسے مشرکوں کے متعلق مذکور ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے نہایت حیرت اور تعجب کے ساتھ کہتے، اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (کیا خدا نے ایک بشر

کو رسول بنا کر بھیجا)

اوز آج کا نام نہاد عاشق، رسول کو مقدم اور بشر کو مؤخر رکھ کر کہتا ہے کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا۔ دونوں کے قول میں صرف تقدم و تاخر کا فرق ہے حقیقت اور حاصل دونوں کا ایک کہ بشریت اور رسالت میں تضاد ہے۔

ظلّ الحبیب

بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجسم نور ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی وجہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور جس کا سایہ نہیں ہوتا وہ نور ہوتا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا بلکہ تھا۔

دوسری بات یہ کہ سایہ نہ ہونا نور ہونے کی دلیل ہے یہ بھی درست نہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

سایہ کا ثبوت قرآن سے

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (الرعد ۱۳ : ۱۵)

ترجمہ : زمین و آسمان میں رہنے والی ہر مخلوق خوشی یا
ناخوشی اللہ تعالیٰ ہی کے رُو برو جھکتی ہے نہ صرف وہ بلکہ
ان کے سائے بھی صبح و شام اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر : امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں
رقمطراز ہیں : قال المفسرون کل شخص سواء کان مؤمنا او کافرا
فان ظلہ یسجد للہ قال مجاھد ظل المؤمن یسجد للہ طوعا وھو طائع و
ظل الکافر یسجد للہ کرھا وھو کارہ ۔ (تفسیر کبیر ص۳ ج ۱۹)

ترجمہ : مفسرین حضرات نے فرمایا ہے کہ ہر شخص مؤمن ہو یا کافر اسکا سایہ اللہ
کیلئے سجدہ کرتا ہے، مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مؤمن کا سایہ اختیاری سجدہ کرتا ہے
اور وہ مؤمن اس پر خوش ہوتا ہے اور کافر کا سایہ جبری سجدہ کرتا ہے اور وہ کافر اسے ناپسند کرتا ہے

فائدہ : ناظرین خود فیصلہ کریں کہ اس آیت میں جو ہر مخلوق کے سایہ
کا ذکر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں داخل ہیں یا نہیں ؟ اور
مفسر کبیر نے جو مؤمن اور کافر ہر ایک کے سایہ کا ذکر کیا ہے کیا
مؤمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ؟

اگر اس آیت اور تفسیری حوالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی آیتِ
قرآنیہ یا کسی معتبر مفسر نے مستثنیٰ کیا ہو تو ذرا ہمت کر کے کوئی بتلا دے
اس قسم کے مضمون کی اور بھی کئی آیتیں ہیں لیکن اختصار کی وجہ
سے سر دست اسی پر اکتفار کیا ہے۔

حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ اچانک حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہوگیا اتفاق سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک سواری زائد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنی زائد سواری صفیہ کو دیدو، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا اس یہودیہ کو دوں پس اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے، اور ذی الحجہ اور محرم دو مہینے یا تین مہینے مسلسل ان کے پاس نہ آئے یہانتک کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئیں اور اپنا سامان وغیرہ منتقل کرنیکا بھی ارادہ کرلیا۔

فرماتی ہیں مگر فبینما انا یوماً بنصف النہار اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلاً۔ (مسند امام احمد بن حنبل ص۱۳۲ ج ۶)

اچانک ایک دن کیا دیکھتی ہوں کہ دوپہر کا وقت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ مبارک آرہا ہے۔

فائدہ: غور کیجیے اس حدیث میں انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنا واضح فقرہ ہے۔

نوری مخلوق کا سایہ

یہ کہنا کہ نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا غلط ہے کیونکہ صحیح حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہ ارشاد صراحۃً ثابت ہے کہ مازالت الملائکۃ تظلہ باجنحتھا حتی رفعتموہ (بخاری شریف کتاب الجنائز)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے فرشتوں نے اپنے پروں سے ان پر اس وقت تک سایہ کیے رکھا جب تک انکو معرکہ جنگ سے اٹھا نہیں لیا گیا۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ نوری کا بھی سایہ ہوتا ہے،

مسئلہ علم غیب

اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو منتخب فرمایا۔ پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خوبیاں عطا فرمائیں جو اور کسی کو نہیں دیں اور علم وحکمت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے ممتاز فرمایا مگر کلی علم غیب جو خاصۂ خداوندی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پر صراحۃً دال ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی علم غیب نہ ذاتی طور پر دیا گیا ہے اور نہ عطائی طور پر۔

اس مختصر رسالہ میں قرآن مجید کی آیات میں سے صرف ایک آیت اور اس کی مستند تفسیر پر اکتفا کیا جاتا ہے جو سمجھدار منصف مزاج

کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

آیت ۱ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ (انعام ۶: ۵۰)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدائے تعالیٰ کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

فائدہ: اس آیت سے تین مسئلے حل ہو گئے۔

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل نہیں۔
② کلی علم غیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا۔
③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ اور نور نہیں بلکہ بشر اور انسان ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین باتوں کے اعلان کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

① اوّل یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کا مالک و مختار نہیں ہوں۔ (اس اعلان سے پہلا مسئلہ حل ہو گیا)

② دوم یہ کہ میں تمام غیبوں کو نہیں جانتا ہوں (اس سے دوسرا مسئلہ حل ہو گیا)

③ سوم یہ کہ میں فرشتہ نہیں ہوں (اس سے تیسرا مسئلہ حل ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ اور نور نہیں بلکہ بشر ہیں)

شانِ نزول :

مستند تفسیر کے حوالہ سے اس آیت کی شانِ نزول کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ کوئی آیت کے صاف اور واضح اعلان میں معنوی تحریف کرکے یہ نہ کہدے کہ یہاں علم غیب ذاتی کی نفی ہے عطائی کی نہیں۔ اس لیئے کہ شانِ نزول سے ہر ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ آیت میں علم غیب ذاتی اور عطائی دونوں کی نفی ہے۔

اب شانِ نزول سنئے !

مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ ہمیں آیندہ حالات کی خبر دیں۔ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، مشرکین کا مقصد اس سوال سے صرف آیندہ واقعات و حالات معلوم کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ انکو ذاتی علم سے بتادیں یا عطائی علم کے ذریعے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں نفی فرماکر صاف اعلان کردیا کہ میرے پاس آیندہ واقعات کا علم نہیں، نہ ذاتی طور پر نہ عطائی طور پر تاکہ میں تم کو بتا سکوں۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

ان القوم کانوا یقولون لہ ان کنت رسولا من عند اللّٰہ فلا بد وان تخبرنا عما یقع فی المستقبل من المصالح والمضار حتی نستعد لتحصیل تلک المصالح ولدفع تلک المضار فقال تعالیٰ قل انی لا اعلم الغیب فکیف تطلبون منی ھذہ المطالب (تفسیر کبیر ص۴۳ ج۱۲)

ترجمہ : کافر کہتے تھے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہو تو ہمیں بتاؤ کہ آیندہ ہمیں کیا کیا فائدے اور نقصانات پہنچنے والے ہیں تاکہ ہم ان فوائد کو حاصل کرتے اور ان تکالیف سے بچنے کے لئے تیار ہو جائیں ، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہدیں کہ میں غیب نہیں جانتا ہوں پس تم اس قسم کے مطالبات مجھ سے کیوں کرتے ہو۔

حدیث

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مفاتیح الغیب خمس لا یعلمها الا اللہ لا یعلم ما فی غدٍ الا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ (صحیح بخاری ص ۱۰۸۱ ج ۲)

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفاتیح الغیب (غیب کے خزانے) پانچ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نمبر ۱ - اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہو گا۔
نمبر ۲ - اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ ارحام میں کیا ہے (نر ہے یا مادہ ، سفید ہے یا سیاہ وغیرہ) —
نمبر ۳ - اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی

نمبر۴۔ کسی جاندار کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں مرے گا۔
نمبر۵۔ اور اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب آئیگی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان پانچ علوم کے جاننے میں اللہ تعالیٰ منفرد ہیں اور اس کے سوا ان چیزوں کا علم اور کسی کو نہیں نہ کسی برگزیدہ پیغمبر کو اور نہ کسی مقرب فرشتے کو، اور یہ عقیدہ دین میں اتنا ضروری اور اس قدر واضح اور قطعی ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا قرآن کا منکر سمجھا گیا ہے چنانچہ امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

من ادعی انہ یعلم شیئا من ہذہ الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص۱۶۱ ج ۷)

ترجمہ: جس نے دعویٰ کیا کہ وہ ان امور خمسہ میں سے کسی ایک کو جانتا ہے تو اس نے قرآن کا انکار کیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذہب

ومن حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غدا۔ (صحیح البخاری ص۷۲ج۲)

ترجمہ: اور جس نے آپ کے سامنے یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں اس نے جھوٹ کہا اس کے بعد یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اور کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ وہ کل کیا کریگا۔

فائدہ : ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان بار بار پڑھئے اور عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے انصاف سے فیصلہ کیجیے۔ خصوصاً ان کی دو باتوں کی طرف انتہائی توجہ کی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جو محبت تھی اور عشق تھا کیا کسی آجکل کے بناوٹی عاشق کے دل میں ہوسکتا ہے؟ باوجود کمالِ محبت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا انکار کرتی ہیں، اگر یہ انکار گستاخی ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہوتا جیسا کہ آجکل بعض نام نہاد مولویوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا ہے کہ فلاں انکارِ علم غیب کی وجہ سے گستاخ رسول ہے، تو حضرت عائشہ رضی تعالیٰ عنہا کبھی انکار نہ کرتیں۔ ان کے انکار نے تو واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کل علم غیب ثابت کرنا گستاخی ہے، اور انکار ضروری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ہے۔

دوسری بات یہ کہ ام المؤمنین نے آیت سے استدلال کرکے واضح کر دیا کہ علم غیب کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

نیز عطائی کی تاویل بھی یہاں نہیں چل سکتی، اس لئے کہ یہاں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ذاتی طور پر علم کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے، عطائی طور پر کرے تو جھوٹا نہیں بلکہ وہ تو فرماتی ہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے کسی نفس کو کچھ علم نہیں کہ وہ کل کیا کریگا۔

واقعہ نمبر ۱

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ فام مرد یا عورت (راوی کو شک ہے) مسجد میں رہا کرتا تھا اور مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا وہ مرگیا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی موت کا علم نہ ہوا، اتفاقاً ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یاد فرمایا اور پوچھا اس آدمی کا کیا ہوا (کئی دنوں سے وہ دیکھنے میں نہیں آیا) تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ وہ تو فوت ہوچکا ہے تو فرمایا تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟ صحابہ نے کچھ ایسا جواب دیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے اس معاملہ کو معمولی سمجھا (اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہیں دی) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو مجھے اس کی قبر بتاؤ، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی قبر پر تشریف لائے اور اسکی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

(صحیح مسلم ص۳۰۹ ج۱، صحیح بخاری ص۱۷۸ ج۱ واللفظ لہ)

فائدہ: اس واقعہ سے جہاں یہ واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی علم غیب نہیں تھا ورنہ خادم مسجد کی موت اور مقام قبر وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہ ہوتے، وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی علم غیب کلی کا عقیدہ نہیں تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر کہتے کہ آپ

نبی اکرم علیہ وسلم تو خود عالم الغیب ہیں، خادم کی موت کی خبر رکھتے ہیں ہماری اطلاع کی کیا ضرورت تھی؟ اور ہر قبر میں تو آپ خود بنفسِ نفیس تشریف لیجاتے ہیں تو وہاں سے بھی آپ کو پتہ چلا ہوگا کہ اس قبر میں تو ہماری مسجد کا خادم ہے، تو آپ ہم سے کیسے دریافت فرماتے ہیں؟

لیکن کسی ایک صحابی نے بھی یہ نہیں کہا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر عالم الغیب نہیں سمجھتے تھے۔

واقعہ نمبر ۲

صحیح بخاری میں موجود ہے کہ شروع میں قبیلہ رعل، ذکوان اور بنو لحیان کے کچھ لوگ (ایک سازش کے تحت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں، آپ ہمیں امداد کے لیئے کچھ آدمی مرحمت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں پر اعتماد فرمایا اور انھیں مخلص مؤمن سمجھ کر انصار میں سے ستر آدمی ان کی مدد کے لیئے ان کے ہمراہ روانہ فرما دیئے جو سارے کے سارے قرآن کے قاری اور نہایت ہی متقی تھے۔ چنانچہ جب وہ منافقین صحابہ کی اس جماعت کو ساتھ لیکر مقام بئر معونہ میں پہنچے تو ان سے دھوکا کیا اور سب کو شہید کر ڈالا۔ ان میں سے صرف ایک صحابی کعب بن یزید اور ایک اور آدمی کی جان بچی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع

دی کہ وہ اپنے رب سے مل چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان قاریوں کے قتل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ اور رنج ہوا کہ اتنا کبھی نہیں ہوا۔ ان کے قتل کے بعد ان ظالموں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا ایک ماہ بد دعا کرتے رہے اور آپ نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی (صحیح بخاری ص۵۸۶ ج۲)

(بحوالہ جواہر التوحید وتبرید النواظر)

فائدہ: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو نہ ان منصوبہ بنانے والوں کی سازش میں آتے اور نہ جلیل القدر صحابہ ان درندوں کے حوالے کرتے۔

واقعہ نمبر۳

قصۂ اِفک و بہتان صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں یہ واقعہ غیر معمولی طویل تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی المصطلق میں جس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے سنہ ۶ھ میں تشریف لے گئے تو امہات المؤمنین میں سے حضرت صدیقہ عائشہ ساتھ تھیں، حضرت عائشہ کا اونٹ جس پر ان کا ہودج (پردہ دار شغدف) ہوتا تھا اور چونکہ اس وقت احکام پردہ کے نازل ہو چکے تھے تو معمول یہ تھا کہ صدیقہ عائشہ اپنے

ہودج میں سوار ہو جاتیں پھر لوگ اُس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا آخر شب میں کوچ سے کچھ پہلے اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے تاکہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں۔ حضرت صدیقہ عائشہ کو قضاء حاجت کی ضرورت تھی اُس سے فراغت کے لئے جنگل کی طرف چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی، جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے ان کے اونٹ کا قصہ یہ ہوا کہ جب کوچ ہونے لگا تو عادت کے مطابق حضرت صدیقہ عائشہ کا ہودج یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا گیا کہ حضرت صدیقہؓ اسمیں موجود ہیں اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ اس لئے نہ ہوا کہ اس وقت حضرت صدیقہ عمر میں کم اور بدن میں نحیف تھیں کسی کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا۔ حضرت صدیقہ نے اپنی جگہ واپس آکر قافلہ کو نہ پایا تو بڑی دانشمندی اور وقار و استقلال سے کام لیا کہ قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور رفقاء کو یہ معلوم ہو گا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں پہنچیں گے، اگر میں اِدھر اُدھر کہیں اور گئی تو اُن کو تلاش کرنے میں مشکل ہو گی اس لئے اپنی جگہ پر چادر میں لپٹ کر بیٹھ رہیں۔ آخر رات کا وقت

تھا نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ کر آنکھ لگ گئی۔

دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطل صحابی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اس کو اٹھا کر محفوظ کر لیں، وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے، ابھی روشنی پوری نہ تھی اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے قریب آئے تو حضرت صدیقہ عائشہ کو پہچان لیا کیونکہ انھوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا تھا پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ اُن کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نکلا، یہ کلمہ صدیقہ کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان نے اپنا اونٹ قریب لاکر بٹھا دیا۔ حضرت صدیقہ اس پر سوار ہو گئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پاپیادہ چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ میں مل گئے عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اُس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سُنائی باتوں سے متاثر ہو کر اسکا تذکرہ کرنے لگے۔ جیسے حضرت حسان حضرت مِسطح مردوں میں سے اور حضرت حمنہ عورتوں میں سے، تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن مردویہ حضرت ابن عباس کا یہی قول نقل کیا ہے کہ

اعانہ ای عبد اللہ ابنِ اُبَیّ حسان و مسطح وحمنہ۔

(جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت صدمہ پہنچا۔ صدیقہ عائشہ کو تو انتہائی صدمہ پہنچنا ظاہر ہی ہے عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج و افسوس ہوا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ چلتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برارت اور بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں کی مذمت میں مذکورہ بالا آیات نازل فرمادیں جن کی تفسیر آگے آتی ہے، قرآنی ضابطہ کے مطابق جس کا ذکر ابھی حدِ قذف کے تحت آچکا ہے، تہمت لگانے والوں سے شہادت کا مطالبہ کیا گیا وہ تو ایک بالکل ہی بے بنیاد خبر تھی گواہ کہاں سے آتے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق قذف جاری کی، ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے۔ بزار اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مسلمانوں پر حدِ قذف جاری فرمائی مِسطح۔ حمنہ، حسّان۔ اور طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن اُبیؔ منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دوہری حد جاری فرمائی پھر مومنین نے توبہ کرلی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے)

(بیانُ القرآن،

اس سفر سے واپس آنے کے بعد حضرت صدیقہ اپنے گھریلو کاموں میں مشغول ہوگئیں ان کو کچھ خبر نہیں تھی کہ منافقین نے انکے بارے

میں کیا خبریں اُڑائی ہیں ؟ صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرتِ صدیقہ کا بیان یہ ہے کہ سفر سے واپسی کے بعد کچھ میری طبیعت خراب ہو گئی اور سب سے بڑی وجہ طبیعت خراب ہونے کی یہ ہو گئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لطف و کرم اپنے ساتھ نہ دیکھتی تھی جو ہمیشہ سے معمول تھا، بلکہ اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ رہا کہ گھر میں تشریف لاتے اور سلام کرتے پھر پوچھ لیتے کیا حال ہے؟ اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ مجھے چونکہ اس کی کچھ خبر نہ تھی کہ میرے بارے میں کیا خبر مشہور کی جا رہی ہے؟ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کا راز مجھ پر نہ کھلتا تھا، میں اسی غم میں گھلنے لگی۔ ایک روز اپنی کمزوری کی وجہ سے مسطح صحابی کی والدہ ام مسطح کو ساتھ لیکر میں نے قضاءِ حاجت کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا کیونکہ اسوقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا جب میں قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف آنے لگی تو ام مسطح کا پاؤں انکی بڑی چادر میں الجھا اور یہ گر پڑیں، اس وقت ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تَعِسَ مِسطَحٌ یہ ایسا کلمہ ہے جو عرب میں بددعا کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس میں ماں کی زبان سے اپنے بیٹے مسطح کے لئے بددعا کا کلمہ سن کر صدیقہ عائشہ کو تعجب ہوا، ان سے فرمایا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک نیک آدمی کو برا کہتی ہو جو غزوۂ بدر کا شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح، اس پر ام مسطح نے تعجب سے کہا کہ بیٹی کیا تم کو خبر نہیں کہ مسطح میرا بیٹا کیا کہتا پھرتا ہے؟

میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ تب اُن کی والدہ نے مجھے سارا واقعہ اہلِ افک کی چلائی ہوئی تہمت کا اور مسطح کا اسمیں شریک ہونا بیان کیا صدیقہ فرماتی ہیں کہ یہ سُن کر میرا مرض دوگنا ہوگیا جب میں گھر میں واپس آئی اور حسبِ معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سلام کیا اور مزاج پُرسی فرمائی تو صدیقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں آپنے اجازت دیدی۔ منشا یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ میں نے جاکر والدہ سے پوچھا، انھوں نے تسلّی دی کہ تم جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں مشہور کیا کرتے ہیں تم اس کے غم میں نہ پڑو خود بخود معاملہ صاف ہوجائے گا۔ میں نے کہا، سبحان اللہ! لوگوں میں اس کا چرچا ہوچکا ہے اس پر کیسے صبر کروں؟ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرے آنسو تھمے نہ آنکھ لگی۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس خبر کے پھیلنے سے سخت غمگین تھے اور اس عرصہ میں اس معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی آپ پر نہ آئی تھی اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اُسامہ بن زید، یہ دونوں گھر کے ہی آدمی تھے ان سے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت اُسامہ بن زید نے تو کھُل کر عرض کیا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہ کے بارے کوئی بدگمانی نہیں۔ انکی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (آپ کو غم و اضطراب سے

بچانے کے لئے) یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی اگر افواہوں کی بناء پر عائشہ کی طرف سے کچھ تکدّر طبعی ہوگیا ہے تو عورتیں اور بہت ہیں۔ اور آپ کا یہ تکدر اس طرح بھی رفع ہوسکتا ہے کہ بریرہ جو صدیقہ عائشہ کی کنیز ہیں اُن سے انکے حالات کی تحقیق فرمالیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے پوچھ گچھ فرمائی، بریرہ نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی بجز اس کے کہ نوعمر لڑکی ہیں بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں خود سو جاتی ہیں بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے (اس کے بعد حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دینا اور بر سر منبر تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت کا ذکر فرمانا اور طویل قصہ مذکور ہے۔ آگے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ) صدیقہ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی مسلسل روتے ہوئے گزری میرے والدین بھی میرے پاس آگئے تھے وہ ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور جب سے یہ قصہ چلا تھا اس کے دوران آپ میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے، پھر آپ نے ایک مختصر خطبۂ شہادت پڑھا اور فرمایا اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بری ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہیں بری کر دیں گے (یعنی برات کا اظہار بذریعہ وحی

فرمادیں گے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرکے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہوگئے میری آنکھوں میں ایک قطرہ نہ رہا۔ میں نے اپنے والد ابوبکر صدیق سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے، ابوبکر نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی عذر کردیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں، اب مجبور ہوکر مجھے ہی بولنا پڑا، میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی، اس وقت اس رنج وغم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں جبکہ اچھے اچھے عقلاء کو بھی معقول کلام کرنا آسان نہیں ہوتا حضرت صدیقہ نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عجیب وغریب عاقلانہ کلام ہے اس کے الفاظ بعینہ لکھے جاتے ہیں۔

واللہ لقد عرفت لقد سمعتم ھذا الحدیث حتیٰ استقر فی انفسکم وصدقتم بہ ولئن قلت لکم انی بریئۃ واللہ یعلم انی بریئۃ لا تصدقونی ولان اعترفت لکم بامر واللہ یعلم انی منہ بریئۃ لتصدقونی واللہ لا اجدلی ولکم مثلا الا کما قال ابو یوسف فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔

ترجمہ: بخدا مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ آپ حضرات نے اس

بات کو سُنا اور سنتے رہے یہاں تک کہ آپ حضرات کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ حضرات نے اُس کی عملاً تصدیق کر دی اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بَری ہوں جیسا کہ اللہ جانتا ہے کہ واقع میں بَری ہوں تو آپ لوگ میری تصدیق نہ کریں گے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کر لوں جس سے میرا بَری ہونا اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو آپ حضرات میری بات مان لیں گے، واللہ اب میں اپنے اور آپ لوگوں کے معاملہ کی کوئی مثال بجز اس کے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سُن کر فرمائی تھی کہ میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ سے اُس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو۔

صدیقہ فرماتی ہیں کہ اتنی بات کر کے میں الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا میں فی الواقع بَری ہوں اللہ تعالیٰ میری براءت کا اظہار بذریعہ وحی ضرور فرمائیں گے لیکن یہ وہم وخیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں قرآن کی آیات نازل ہونگی جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم محسوس کرتی تھی۔ ہاں یہ خیال تھا کہ غالباً آپ کو خواب میں میری براءت ظاہر کر دی جائے گی۔ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابھی اس مجلس سے ابھی نہیں اُٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں

اُٹھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا البشری یا عائشہ اما اللہ فقد ابرأک یعنی اے عائشہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمھیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو، میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہونگی، میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اُسی نے مجھے بری فرمایا۔

فائدہ: اس مفصل واقعہ کو پڑھ کر ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل رکھنے والا بھی اس فیصلہ پر مجبور ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہ تھے ورنہ یہ واقعہ پیش نہ آتا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو اپنی محبوبہ مرغوبہ کو سنگلاخ میدان میں اکیلی نہ چھوڑتے، بلکہ اپنے اصحاب سے فرماتے کہ تم نے جو ہودج اونٹ پر رکھا وہ تو خالی ہے اسمیں صدیقہ نہیں ہے، ذرا صبر کرو، ابھی وہ جنگل میں ہیں واپس نہیں آئی ان کو آنے دو، لیکن (بقولِ او) ہیں عالم الغیب اور

زوجہ مطلوبہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا، یہ عجیب علم غیب کلی اور مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ ہے، بعضے بدنصیب تو یہاں تک کہنے سے نہیں شرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تو تھا مگر قصداً چھوڑ دیا۔

کیا اس زمانہ میں کوئی ایسا غیرت مند ہے جو یہ چاہتا ہو کہ میری بیوی پر تہمت لگے اور پھر اسکا تمام لوگوں میں چرچا ہو، اگرچہ جھوٹی تہمت ہو۔

جب ہم جیسے لوگوں کو اس طرح کی جھوٹی تہمت گوارا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت تو ہم سے بدرجہا زیادہ ہے انھوں نے قصداً اس تہمت کے اسباب کیوں اختیار کیئے؟ اگر قصداً اختیار کیئے ہوتے تو اتنا صدمہ کیوں؟ اور دوسروں سے ام المؤمنین کی پاکی وصفائی کی تحقیقات کیوں؟ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائیں۔

اسی طرح اگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو تمام اولیاء کے سردار ہیں کو علم غیب ہوتا تو ان کو پتہ چل جاتا کہ ہودج خالی ہے اور یہ سمجھ کر کہ ام المؤمنین ہودج میں تشریف رکھتی ہیں اونٹ پر نہ رکھتے، کیا یہ حضرات پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے نزدیک کم درجہ رکھتے ہیں، پیران پیر صاحب کو تو بغداد میں رہتے ہوئے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں نے گیارہویں دی ہے لہٰذا اس کے کام بناتے ہیں اور فلاں نے نہیں دی اس پر آفات بھیجتے ہیں، فلاں بھینس کا دودھ گیارہویں میں خرچ ہوا فلاں کا نہیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہودج کو پکڑ م

اٹھا رہے ہیں، ہودج سامنے ہے مگر پھر بھی پتہ نہیں چلتا اور تمام قافلہ کوچ کر کے اکیلی اُم المؤمنین کو لق و دق میدان میں چھوڑ کر چلا گیا، کیا اتنی موٹی بات کسی دانشمند کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر صحابہ کو علم غیب ہوتا تو کبھی بھی اپنی پیاری والدہ کو جنگل میں چھوڑ کر نہ جاتے، جب ان کو علم غیب نہیں تو یہ پیران پیر جو اُن کے پاؤں کی خاک کے برابر نہیں اور دوسرے اولیاء کرام ان کو کہاں سے علم غیب آگیا، اسی طرح ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی علم غیب نہیں تھا ورنہ ان کو ضرور پتہ چل جاتا کہ مجھے دیر لگے گی قافلہ نکل جائے گا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتیں کہ شاید مجھے دیر لگ جائے اس لئے کہ میرا ہار ٹوٹے گا، پھر میں عالمۃ الغیب اس کو تلاش کرونگی، جس کی تلاش میں کافی وقت لگے گا، ادھر سے قافلہ کے کوچ کا وقت ہوگا لہٰذا ذرا کوچ کو مؤخر کریں، تاکہ ہار ٹوٹنے اور تلاش کرنے کا وقت ملے اور قافلہ سے بھی ملکر چل سکوں، لیکن ام المؤمنین نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ اُم المؤمنین کو یہ علم نہیں تھا کہ میرا ہار ٹوٹے گا پھر اس کی تلاش میں لگ کر قافلہ نکل جائے گا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ جنگل جاکر ان کا ہار ٹوٹے گا، پھر اسکی تلاش میں دیر لگے گی ورنہ انتظار فرماتے۔

اسی طرح اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ عالم الغیب ہوتے تو صاف کہہ دیتے کہ اصل واقعہ تو یوں ہے اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ سے

تحقیق کا مشورہ نہ دیتے، یا یوں کہتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو خود عالم الغیب ہیں آپ کو تو سب کچھ پہلے سے معلوم ہے تو ہم سے مشورہ کا کیا مطلب؟ لیکن ایسا نہیں کہا، جس سے ثابت یہ ہوا کہ وہ بھی وہابی دیوبندی کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں مانتے کیا ان پر بھی گستاخ رسول ہونے کا فتویٰ صادر کرنا ہے یا انھیں معاف کرنا ہے۔

اسی طرح اگر حضرت حسان اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہما عالم الغیب ہوتے تو کبھی اس تہمت میں شریک نہ ہوتے اور نہ کوڑوں کی سزا کے مستحق بنتے۔

قارئین کرام! ذرا انصاف سے ان اقتباسات پر غور فرمائیں، کیا یہ تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (نعوذ باللہ) گستاخ رسول تھے (حاشا وکلا) بلکہ ان سب حضرات کا عقیدہ تھا کہ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس صفت میں کوئی اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک نہیں نہ مقرب رسول، نہ فرشتہ اور نہ مقرب ولی،

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

من یعتقد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب فھو کافر لان علم الغیب صفة مختصة باللہ

(مرآۃ الحقیقت ص۱۸ بحوالہ جواھر التوحید ص۲۶۷)

ترجمہ: جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

غیب جانتے تھے تو وہ کافر ہے کیونکہ علم غیب ایک ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

فائدہ: ان حضرات سے مئودبانہ گزارش ہے جو پیران پیر صاحب کے نام کی گیارھویاں مزے لیکر کھاتے ہیں، کہ خدارا ذرا انکے فتویٰ کو بھی دیکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی انکے فتوی کی زد میں آجائیں۔

عبارات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

① قال فی الخانیہ رجل تزوج امرأۃ بغیر شہود فقال الرجل للمرأۃ خدارا و پیغمبر را گواہ کردیم، قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھوما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت،

(فتاویٰ خانیہ علی ھامش الھندیہ ص۵۷۶ ج ۳)

ترجمہ: امام حسن بن منصور قاضی خان حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے ایک عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور اس سے کہا میں نے خدا و رسول کو گواہ بنایا، فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ کفر ہوگا کیونکہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب دان سمجھ لیا حالانکہ جب آپ زندوں میں تھے اسوقت غیب نہیں جانتے تھے تو موت کے بعد کس طرح غیب جاننے لگے۔

(فتاویٰ خانیہ ص۸۸۳ جلد ۴ بحوالہ جواھر ص۱۶۹)

(۲) قال فی خلاصۃ الفتاوٰی رجل تزوج ولم یحضر شاھدا فقال خدائے را و رسول خدائے را گواہ کردم و فرشتگان را گواہ کردم یکفر فی الفتاوٰی لانہ اعتقد ان الرسول والملک عالم بالغیب
(خلاصۃ الفتاوٰی ص ۳۸۵ جلد ۴)

ترجمہ: ایک آدمی نے نکاح کیا اور گواہ نہ بلوایا اور کہا کہ میں نے خدا اور رسول کو اور فرشتوں کو گواہ بنایا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کو عالم الغیب سمجھا۔

(۳) قال فی البزازیہ، تزوج بلا شھود قال خدائے را و رسول خدا را و فرشتگان را گواہ کردم یکفر لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والملک یعلمان الغیب انتہی
و نیز در بزازیہ است وعن ھذا قال علمائنا من قال ان ارواح المشایخ حاضرۃ تعلم تکفر (بزازیۃ بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ص ۳۴۵ ج ۱ ص ۳۷۹ ج ۱)

ترجمہ: کسی آدمی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، ور کہا کہ خدا اور رسول خدا اور فرشتوں کو میں نے گواہ کیا تو کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتے غیب جانتے ہیں اسی وجہ سے ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ جس نے کہا بزرگوں کی روحیں حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے۔

فائدہ : ان تینوں عبارتوں کو غور سے پڑھیے ہمارے فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے کس صراحت سے علم غیب کے عقیدے رکھنے والے کو کافر کہا ہے اور خوبی کی بات تو یہ ہے کہ یہاں ہمارے دوستوں کی بنائی عطائی کی تاویل بھی نہیں چل سکتی کیونکہ جس نے رسول کو فرشتوں گواہ بنایا ہے اس کا مطلب تو صرف اتنا ہو گا کہ ان کو ہمارے نکاح کا علم ہے خواہ ذاتی علم کی وجہ سے یا عطائی کی وجہ سے اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہ تفصیل نہیں کی کہ اگر ذاتی طور پر عالم الغیب سمجھتا ہے تو کافر اور عطائی طور پر سمجھتا ہے تو کافر نہیں، بلکہ مطلق کفر کا حکم لگایا کہ خواہ وہ ذاتی علم غیب کا مدعی ہو یا عطائی کا، ہر صورت میں یہ عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو اس سے اپنی بقیہ عمر کے بارے میں سوال کیا کہ میری کتنی عمر باقی ہے؟ تو فرشتے نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا اور غائب ہو گیا، منصور نے تعبیر دانوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، ان میں حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے معبّروں نے بہت سی تعبیریں بیان کیں، کسی نے کہا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خلیفہ کی عمر ابھی پانچ سال باقی ہے۔ کسی نے کہا اس

سے مراد پانچ ماہ ہیں اور کسی نے پانچ دن بتائے لیکن حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هو اشارة الى هذه العلوم الخمسة لا يعلمها الا الله

(مدارک ص ۲۱۹ ج ۳)

ترجمہ: کہ وہ ان غیوب کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مجھے تمہاری بقیہ عمر کا پتہ نہیں کیونکہ یہ مفاتح الغیب میں سے ہے اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

جو لوگ حنفی ہونے کے دعویدار ہیں ان کے لئے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کافی ہونا چاہیئے اور ضد وہٹ دھرمی کو چھوڑ کر غلط عقیدہ سے توبہ کرنا چاہیئے اور حق کو قبول کر کے فخر کرنا چاہیئے۔

اشکال

جب ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں اپنے فرزند کو ذبح کر رہا ہوں، اور پھر اس کو حکم خداوندی سمجھ کر چھری لیکر اپنے جگر پارے کو اوندھے منہ لٹایا اور پھر چھری چلانا شروع کیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ لاڈلے بیٹے کا گلا کٹ سکتا ہے لیکن فرمانِ الٰہی میں پس و پیش نہیں ہو سکتی۔

اس واقعہ سے متعلق یہ اشکال ہے کہ جس وقت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لے جا رہے تھے تو ان کو یہ معلوم تھا یا نہیں کہ میں چھری چلاؤں گا لیکن بیٹے کا گلا نہیں کٹے گا بلکہ جنت سے دُنبہ آکر ذبح ہو گا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ علم نہیں تھا تو پھر خلیل اللہ علیہ السلام کی قربانی اور واقعہ کی عظمت تو اپنی جگہ برقرار رہی البتہ اس سے علم غیب کا خود ساختہ عقیدہ پاش پاش ہو جائے گا کیونکہ آج کل کے عاشق تو اولیاء اور تمام انبیاء کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔

اور اگر علم تھا کہ گلا نہیں کٹے گا بلکہ اوپر سے دُنبہ آکر ذبح ہو گا تو اس صورت میں علم غیب کے مسئلہ پر تو اثر نہیں پڑا البتہ یہ عظیم الشان قربانی کا واقعہ مٹی میں مل گیا۔ اس لئے کہ اگر اس طرح کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان شرابی کبابی کو بھی پتہ چل جائے کہ نام بھی ہو جائے گا اور بیٹا بھی ذبح نہیں ہو گا اور مفت میں دنبہ بھی آجائے گا تو وہ بھی تیار ہو جائیگا بلکہ ابراہیم علیہ السلام ایک بیٹا لیکر چلے ہم تمام بیٹوں کو لیکر چلے جائیں گے بہر حال اس صورت میں یہ واقعہ ایک فراڈ اور اللہ تعالیٰ اور خلیل اللہ کے درمیان ملی بھگت اور عوام کو دھوکہ دہی کی ایک صورت بن جائیگی جو حقیقت سے بہت دُور ہے۔ حاصل یہ کہ چھری چلانے سے قبل علم تھا یا نہیں؟ جو صورت بھی متعین ہو اس پر جو اشکال ہے اس کا جواب کوئی ہمت کر کے پیش فرما دیں۔

---

www.Ahlehaq.Com

مسئلہ حاضر و ناظر

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک چونکہ اللہ تعالیٰ علیٰ کل شیءٍ شہید ہے

اس لئے بے مثل طور پر اپنی شایانِ شان ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔

اور چونکہ واللہ بصیر بما تعملون ہے، اس لئے ہر چیز کے لئے

ہر جگہ دیکھنے والا اور ناظر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہر جگہ ہر وقت

حاضر و ناظر نہیں نہ مقرب رسول نہ مقرب فرشتہ اور نہ بڑے سے بڑا ولی

یا رلوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر ناظر ماننا بے دینی ہے،

ان کے نزدیک ہر وقت ہر جا حاضر و ناظر ہونا کسی غیر اللہ کی صفت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا:

بعض یار لوگ تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم عنصری

کے ساتھ ہر جا حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

بعض کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے۔

نیز بعض کا قول یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود

بنفس نفیس تو روضۂ اقدس میں تشریف فرما ہیں البتہ وہیں سے

ہر جگہ ہر چیز دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔

بہرحال سچ پوچھیے تو آج تک یہ لوگ اپنے مسلک کی تعبیر میں ششدر اور حیران و پریشان ہیں۔

تنبیہ :

یاد رہے کہ باری تعالیٰ کی صفات کا وہی مفہوم اور معنی مراد لیا جائے گا جو اس کے لائق اور شایانِ شان ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو مخلوق پر قیاس کر کے کوئی مفہوم اور معنی متعین کرنا درست نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا دیکھنا، سننا، موجود اور حاضر و ناظر ہونا ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب اور لائق ہے۔ ہمیں ان صفات کی کیفیات کی تعیین کی ضرورت نہیں، جیسے امام مالک رحمہ اللہ سے جب الرحمٰن علی العرش استویٰ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: استواءہ معقول وکیفیتہ مجھولۃ وسؤالک عن ھذا بدعۃ الخ کہ استوار معقول ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے متعلق آپ کا سوال کرنا بدعت ہے، میں تجھے بُرا انسان سمجھتا ہوں۔

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت کہ ہر جگہ موجود و حاضر اور ناظر ہونا، معقول ہے البتہ اس کی کیفیت کس طرح ہے تو اس سے متعلق اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب اور لائق ہے اس کیفیت سے یہ صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونیکے دلائل

دلیل ۱: وھو بکل شیٔ محیط، اور وہی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

فائدہ: ہر چیز پر محیط ہونا اس ذات کے لئے زیبا ہے جو ہر آن ہر جا بے مثل طور پر موجود ہے، اسی کا علم اتم ہوگا اور اسی کی شان ہی اکمل ہوگی، اور ظاہر ہے کہ ہر جا حاضر و ناظر ہونے کے لئے محیط ہونا ضروری ہے، اور چونکہ محیط ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پس صفت حاضر و ناظر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوگی۔

دلیل ۲: الم تر ان اللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیٰمۃ ان اللہ بکل شیٔ علیم (المجادلۃ ۵۸: ۷)

ترجمہ: کیا تو نہیں دیکھتا بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتے تین سرگوشیاں کرنے والے، مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہیں سرگوشیاں کرتے پانچ مگر چھٹا ان کا اللہ ہوتا ہے، اور نہیں ہوتے اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ انکے ساتھ ہوتے ہیں جہاں وہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد قیامت کے دن

ان کو ان کے عملوں کی خبر دے گا، بلا شبہہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والا ہے۔

طرزِ استدلال:

تین افراد سرگوشیاں کرنے والوں میں چوتھا اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اور پانچ افراد میں چھٹا ربِّ قدوس کا ہونا نیز اسکی معیت لازمہ (ساتھ ہونا) اس کے حاضر ہونے پر اور قیامت کے دن مخلوق کے ہر عمل کی خبر دینا اس کے ناظر ہونے پر صراحۃً دال ہے، فسبحان اللہ عما یشرکون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جا حاضر ناظر ہونے پر دلائل

دلائل سے قبل بطور تمہید یہ سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تین دور ہیں۔

پہلا دور وہ ہے جبکہ ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح جسم اقدس میں جلوہ گر نہیں ہوئی تھی۔

دوسرا دور وہ ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہو کر غیر آباد دنیا کو آباد کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجود مسعود سے کائنات کو مستفیض فرمایا۔

تیسرا دور وہ ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہو کر عالم برزخ میں قدم رکھا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ان تینوں دوروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہر جگہ موجود و حاضر اور ناظر نہیں رہی۔

پہلا دور اور دلیل

ذلک من انباء الغیب وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون (یوسف)

ترجمہ : یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس موجود نہ تھے، جبکہ وہ اپنی بات طے کر رہے تھے اور وہ اپنی تجویزیں کر رہے تھے (یعنی جس وقت یوسف علیہ السلام کے خلاف ان کے بھائی مشورہ کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہیں تھے)

طرزِ استدلال :

یوسف علیہ السلام کا واقعہ باقی انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے قرآن پاک میں یکجا کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ایسے رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ سننے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک وہاں موجود ہوگی۔ پس اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر اس مسئلہ کو واضح فرما دیا کہ یہ غیب کی خبریں ہم نے آپ کو بذریعہ وحی بتلائی ہیں ورنہ آپ تو وہاں تھے ہی نہیں۔

دوسرے دَور کی دلیل ۱

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیتنا انہ ھو السمیع البصیر (بنی اسرائیل ۱۷:۱)

ترجمہ : شریکوں سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، جس نے اپنے پیارے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، جس کے ارد گرد ہم نے برکت نازل فرمائی ہے تاکہ ہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بعض دلائل قدرت دکھائیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات کا سننے والا اور ہر چیز دیکھنے والا ہے۔

طریقۂ استدلال :

اس آیت میں قدرے معراج کے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے اور اس میں دو لفظ قابلِ غور ہیں ۱ اَسْرٰی ۲ لِنُرِیَهٗ

سَیر کے لئے ضروری ہے کہ ایک مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان کی طرف انتقال ہو۔ اور ارادہ کے لئے ضروری ہے کہ ایسی چیز دکھائی جائے جو پہلے اسے نہ دیکھ چکے ہوں یا نہ دیکھ رہے ہوں۔

پس پروردگار عالم نے اَسْرٰی کے لفظ سے سرورِ کائنات کے ہر جگہ حاضر ہونے کی نفی فرمائی اور لنریہ سے ہر جا ناظر ہونے کی،

واضح اور ثابت ہوتے ہیں :

(۱) اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مردہ کے پاس سوال و جواب کے وقت قبر میں بنفس نفیس خود تشریف نہیں لیجاتے (جیسے یار لوگوں کا عقیدہ ہے) ورنہ قبر پر گزرنے سے قبل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرماتے کہ رات میں فلاں قبر میں گیا تھا جس میں فلاں یا ایسا مردہ تھا جس کی نماز جنازہ میں نے نہیں پڑھائی، چلو ابھی چلتے ہیں اور نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ جب قبر پر گزر ہوا تو نئی قبر دیکھ کر فرمایا یہ کون دفن ہوا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں سوال و جواب کے وقت مردہ کو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ دکھا کر سوال ہوتا ہے یا مَا هٰذَا الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ؟ ما ھذا سے حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں جس کے رسول ہونے کی بات ہے یہ کون ہے؟ اور استحضار ذہنی کو کبھی کالمحسوس سمجھ کر ھذا سے اشارہ کیا جاتا ہے جیسے علم بلاغت کی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے۔

(۲) دوسرا امر یہ واضح ہوا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر جگہ حاضر ناظر اور علم غیب کا عقیدہ نہیں تھا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر انہیں

سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عالم الغیب اور ہر جگہ ہر وقت حاضر ناظر ہیں، ہمارے اطلاع کی کیا ضرورت تھی، ہم نے تو یہ سمجھا کہ علم تو ہے اگر مناسب سمجھیں تو خود تشریف لے آئیں گے اس طرح کی تقریر کسی صحابی نے نہیں جھاڑی بلکہ صاف حال بیان کیا کہ رات کا وقت تھا ہم نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔

(۳) تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں سے محبت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر اور عالم الغیب نہ مانتے ہوں، کیونکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دریافت کرنے پر یہ کہا کہ "رات کا وقت تھا ہم نے جگانا مناسب نہیں سمجھا" جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور ہر جا ہر وقت حاضر ناظر نہیں سمجھتے ہیں تو ان کے اس قول کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم وہابی اور گستاخ رسول ہونے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہوئے بلکہ کھڑے ہو کر سب نے مل کر نماز جنازہ ادا کی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ گستاخ رسول وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر عالم الغیب اور ہر جگہ ہر وقت حاضر ناظر کہتے ہیں۔

عقل سلیم کی باتیں

درج ذیل سوالات پر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ کر عقل سلیم سے

www.Ahlehaq.Com

فیصلہ طلب فرمائیں۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل مکہ میں تھے یا مدینہ میں؟ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی اسی طرح کسی خاص شہر کے ساتھ مختص کرسکتے ہیں؟ کہ کراچی میں ہے لاہور میں نہیں؟

(۲) کیا ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتا ہے؟ کبھی تم نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر مقام پر اپنی شان کے مطابق موجود ہے اس نے کراچی سے پشاور ہجرت کی؟

(۳) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمارہے تھے تو ہجرت سے قبل مدینہ منورہ میں تھے یا نہیں؟ اگر نہ تھے تو حاضر ناظر کا مسئلہ ختم۔ اگر تھے تو ہجرت کا کیا مطلب؟

(۴) جب غزوہ مریسیع میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر کیوں نہیں آیا؟

(۵) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی افواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور بیعت رضوان وجود میں آیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر اور ان کو دیکھتے تھے یا نہیں؟

(۶) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے اور حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے روکا۔ جس کی وجہ سے اس سال عمرہ نہ کرسکے، یہاں سوال یہ ہے کہ سفر عمرہ سے قبل آپ

صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے یا نہیں؟ اور ہر جگہ حاضر ناظر کو کس طرح رد کا گیا؟

دورِ ثالث کی دلیل

قال فی الھندیہ تزوج رجل ولم یحضر الشھود وقال خدائے را ورسول را گواہ کردیم او قال خدائے را و فرشتگان را گواہ کردیم یکفر ولو قال فرشتہ دست راست را گواہ کردیم و فرشتہ دست چپ را گواہ کردیم لا یکفر (عالمگیریہ ص۲۱۳ ج۲)

ترجمہ: ایک جوان نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن گواہ حاضر نہیں ہوئے تو اس نے کہا کہ میں نے خدا اور رسول خدا کو گواہ بنالیا ہے یا کہا کہ خدا اور فرشتوں کو گواہ کیا ہے تو کافر ہو جائیگا۔ اور اگر کہے کہ دائیں بائیں طرف والے فرشتوں کو گواہ بنایا ہے تو کافر نہیں ہوگا۔

فائدہ: قارئین کرام اگر اس عبارت اور ترجمہ کو توجہ سے پڑھیں تو اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں، کہ یہاں کفر کے فتوی کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا فرشتوں کو عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کا اعتقاد رکھا ہے۔ ہاں اگر دائیں بائیں رہنے والے فرشتوں کو گواہ بناوے تو کافر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ ہر وقت اسکے پاس رہتے ہیں۔

ایک مغالطہ اور اسکا جواب

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تو نماز میں آپ کو السلام علیک ایھا النبیؐ سے خطاب کیوں کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نمازی کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور نمازی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتا ہے۔

جوابات

جواب ۱: علماء نے لکھا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، کہ تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص ہیں (التحیات للہ والصلوات الخ) تو اللہ تعالیٰ نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: السلام علیک ایھا النبی (سلامتی ہو تجھ پر اے نبی)

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تعلیم دیتے وقت لفظ خطاب کو جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سنا تھا، برقرار رکھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اگر گویند کہ خطاب حاضر را بود و آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دریں مقام نہ حاضر است پس توجیہ ایں خطاب چہ باشد جوابش آنست کہ چوں ورود ایں کلمہ در اصل یعنی شب معراج بصیغہ

WWW.Ahlehaq.Com

خطاب بود دیگر تغیرش ندادند و بر ہماں اصل گزاشتند (مکتوبات حضرت شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار ص ۲۱۶ بحوالہ تبرید النواظر ص ۱۶۲)

ترجمہ: اگر کہیں کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام میں حاضر نہیں ہیں، تو اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ کلمہ دراصل شب معراج میں بصیغۂ خطاب وارد ہوا ہے اور اس کو اسی پر برقرار رکھا گیا اور اسمیں کوئی تغیر نہ کیا گیا۔

یہی بات متعدد کتابوں میں مذکور ہے کہ شب معراج میں یہ خطاب ہوا تھا اور اس کو برقرار رکھا گیا۔ البتہ یہ خیال رہے کہ "السلام علیک ایہا النبی" میں یہ حکایت محض حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء اور دعا ہے۔ چنانچہ درمختار ص ۴۷۶ ج ۱ پر ہے کہ

ویقصد بالفاظ التشهد الانشاء کہ الفاظ تشہد سے مراد انشاء ہونی چاہیے۔

تنبیہ: قرآن میں یا فرعون مثبورا وارد ہے، اس میں یا فرعون کا معنی ہے اے فرعون، سب لوگ حرف ندا جو حاضر کے لئے ہے کے ساتھ پڑھتے ہیں کیا اس سے فرعون کا حاضر ناظر ہونا ثابت ہو جائے گا؟

جواب ۲: اگر مقصود صرف انشاء ہو تو پھر اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک فرشتے پہنچاتے ہیں اسلئے

کلمات خطاب اور ندا سے پڑھا جاتا ہے جیسے ہم اپنے خطوط میں اپنے دوستوں بھائیوں اور رشتہ داروں کو السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کلمات خطاب کے ساتھ لکھتے ہیں کہ جب ہمارا خط پہنچ جائے گا تو اس وقت ان سے خطاب ہو جائے گا ورنہ خط لکھتے وقت کوئی ان کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے، اسی طرح حال سلام اور صلوٰۃ کا ہے۔

مسألہ استعانت و پکار

یونس علیہ السلام نے بھی مچھلی کے پیٹ میں مختار کائنات کو پکارا تھا

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (الانبیاء)

ترجمہ: پس پکارا حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں یہ کہ تیرے بغیر کوئی بچانے والا نہیں ہے، تیری ذات پاک ہے، بلاشبہ میں تھا اپنے خیال میں زیادتی کرنیوالوں سے، پس ہم نے دعا قبول کی، اور اسے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل

عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا مع رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فی غزاۃ، فلقی العدو فسمعتہ یقول یا مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین، قال فلقد رأیت الرجال تصدع تضربھا الملائکۃ من بین یدیھا ومن خلفھا (تفسیر درمنثور ص۱۴ ج۱)

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دشمن آگیا، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرما رہے تھے، اے مالکِ یوم الدین ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

پس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ بھاگ رہے تھے اور فرشتے ان کو آگے پیچھے سے مار رہے تھے۔

فائدہ: دشمن کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کو مدد کیلئے پکارا، مگر آج کل کا رسمی ــــ اوروں کو پکارنے پر زور دے رہا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب و عقیدہ

کتاب الغرائب فی تحقیق المذاہب میں لکھا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انسان کو دیکھا کہ وہ بزرگوں کی قبروں پر جاکر ان سے کلام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تمکو علم ہے کہ میں تمہارے

پاس کئی ماہ سے آرہا ہوں، تم میرے لئے دعا کرو۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا،

هل اجابوك ؟ قال لا، فقال سحقا لك وتربت يداك كيف تكلم اجسادا لا يستطيعون جوابا ولا يملكون شيئا

(بحوالہ صیانۃ الانسان، بحوالہ براھین ص ۲۲۳/۱۷)

ترجمہ : کیا انھوں نے تجھے جواب دیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، پس حضرت امام صاحب نے فرمایا، تیرے لئے تباہی ہے اور تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں کس طرح تو بات کر رہا ہے ایسے اجسام کے ساتھ جو جواب کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں۔

فائدہ : حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ ہر مدعی حنفیت کے لئے ایک مشعل راہ ہے، حنفی اہل سنت کہلا کر مسالہ توحید میں امام صاحب کو چھوڑ جانے والا یقیناً ..... ہے۔

ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں یہ اقرار کرتا ہے کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین، خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور یہی تعلیم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ملتی ہے کہ پکارنے کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہر مشکل میں اسے ہی پکارا جائے، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مافوق الاسباب مدد کے لیے پکارنا شرک اور بڑی گمراہی ہے، حفظنا اللہ

باری حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ، اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل)

ترجمہ : اور جن کو نہ خدا کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود مخلوق ہیں، مردے (اور فانی) ہیں زندہ جاوید نہیں، اور انکو پتہ نہیں کہ کب انکو (قیامت میں) اٹھایا جائیگا،

فائدہ : اس آیت سے پتہ چلا کہ مافوق الاسباب اسے پکارنا چاہیئے جو نہ مخلوق ہو اور نہ ہی اس پر موت طاری ہو سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کو پکارا

جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے شجر ممنوع کا پھل کھایا تو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں التجا کی، کہنے لگے، رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥

ترجمہ : اے ہمارے پالنے والے ہم نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی، اگر آپ نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور ہمیں نظر عطوفت سے نہ دیکھا تو یقیناً ہم خسارے میں جا پڑیں گے۔

فائدہ : جب آدم علیہ السلام نے بوقت غم رب کو پکارا تو اولاد کو بھی چاہیئے کہ وہ بوقت مصیبت اپنے باپ کی طرح صرف اور صرف اپنے رب کو پکارے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کیلئے صرف اللہ کو پکارا

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران ۳ : ۳۸)

ترجمہ : اس وقت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا،
عرض کیا اے میرے رب مجھے عطا کر اپنی طرف سے پاک اولاد،

حضرت ایوب علیہ السلام نے بھی مصیبت میں رب العلمین کو پکارا تھا

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ
الرَّاحِمِينَ ، فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ (الانبیاء ۲۱ : ۸۳)

ترجمہ : اور حضرت ایوب علیہ السلام نے جب اپنے مالک کو پکارا اور
کہا کہ مجھے تکلیف پہنچ چکی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے پس ہم نے انکی
پکار اور دعا کو قبول کیا، پس ہم نے ان کی تکلیف رفع کر دی۔

مسئلہ مختارِ کُل

اہل سنت والجماعت مختار کل قادر مطلق اور چیزوں کو حلال کرنے
والے اور حرام کرنے والے صرف اللہ کو مانتے ہیں۔
فیا رلوگ تحلیل و تحریم انبیاء کرام اور ائمہ اور گدی نشینوں

کے سپرد کرتے ہیں، اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں۔

ایک شاعر کہتا ہے ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر ❊ اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اللہ کے پلّے ہیں وحدت کے سوا کیا ہے ❊ جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

بلکہ اس سے بڑھ کر اولیاء کرام کو مختار کل سمجھ کر ان کیلئے کن فیکون کے اختیارات ثابت کرتے ہیں، ہم اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کچھ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ آسمان و زمین اور تمام اشیاء کا مالک صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے، اور وہی جس طرح چاہیں گے انہیں تصرف کے مختار ہیں، اور اپنے تصرف میں افعال میں کسی کے محتاج نہیں۔

تمام خزانوں کا مالک و متصرف صرف اور صرف اللہ ہے

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (البقرہ)

ترجمہ: کیا تو نہیں جانتا بلاشبہ خدا تعالیٰ کے لئے ہے ملک واختیار آسمانوں اور زمینوں کا اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔

تصرفات کے اختیار میں اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی شریک نہیں

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ : کہدیجیے (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) اے اللہ تو مالک الملک ہے، قادر و مختار ہے، جسے چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے ملک چھین لیتا ہے، جسے چاہے عزت عطا کرتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے تیرے ہاتھ میں خیر ہے بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر و مختار ہے،

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان کہ میں نفع نقصان کا مالک نہیں

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ، قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ،

ترجمہ : کہہ دیجیے (اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے کو پکارتا ہوں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (اور یہ بھی) کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نفع نقصان کا مالک و مختار نہیں ہوں۔

فائدہ : جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کے نفع نقصان

کا اختیار نہیں تو پیران پیر صاحب اور دوسرے بزرگوں کو کیونکر ہو سکتا ہے
اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائیں۔

بیٹا بیٹی دینے والا کون؟

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (الشوریٰ ۴۲ : ۵۰)

ترجمہ : اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمان و زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

فائدہ : اس آیت میں ناظرین کرام کے لئے انتہائی عبرت کا سامان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ بیٹا بیٹی دینا اللہ کا کام ہے اس کا اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو نہیں دیا جس عورت کو اللہ تعالیٰ نرینہ اولاد دینا چاہیں کسی کی طاقت اور قدرت نہیں کہ اس سلسلہ کو بند کر دے یا تبدیل کر دے، اور جس کو اللہ تعالیٰ لڑکیاں دینا

چاہیں کسی کی قدرت نہیں کہ وہ اس کو بند کر کے لڑکے دینا شروع کر دے، اور جس پر دونوں قسم کی اولاد اللہ تعالیٰ بند کر کے عقیم اور بانجھ بنا دے، دنیا کی کوئی طاقت اسکو صاحب اولاد نہیں بنا سکتی ہے خدارا اب تو درگاہوں پر جانا چھوڑ کر ایک مختار کل سے اولاد کی نعمت طلب کرو۔

مخلوق بے بس ہے

یٰاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝ (الحج ۲۲ : ۷۳)

ترجمہ : اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو سب کے سب بھی (کیوں نہ) جمع ہو جائیں، اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ چھین کر لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں سکتے، ایسا عابد بھی لچر ایسا معبود بھی لچر۔

فائدہ : اس آیت نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ اختیارات سب کے

سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، دوسروں کو تو اتنا اختیار بھی نہیں کہ مکھی جیسی ناقص مخلوق کو پیدا کر دیں، اور پیدا کرنا تو در کنار مکھی کی چھینی ہوئی چیز بھی اس سے واپس نہیں کرا سکتے۔ جولتنے معمولی کام کی قدرت نہیں رکھتے وہ مختار کل کیسے بن سکتے ہیں، اور ہمارے بڑے بڑے کام کیسے کر سکیں گے، فوا اسفا

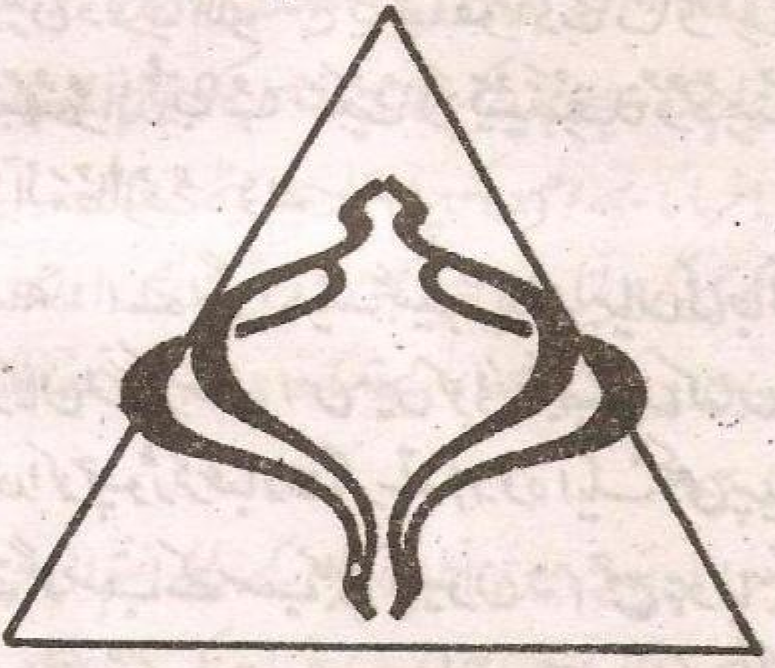

www.Ahlehaq.com

ارشاداتِ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب

بشریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیحضرت سب انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو جنسِ بشر ہی میں سے سمجھتے تھے، آپ لکھتے ہیں:

"اجماع اہل السنۃ ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسرے کو معصوم جانے اہل السنۃ سے خارج ہے"۔ (دوام العیش صـ۲۷ مطبوعہ بریلی شریف)

فائدہ: کیا اس میں تصریح نہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بشر ہیں اور ایسے بشر ہیں کہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا۔

علمِ غیب

اعلیحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ محیط اور علم غیب عطائی کلّی کے قائل نہ تھے، آپ رقمطراز ہیں:

"ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کیلئے علم بالذات جانیں اور عطاء الٰہی سے بھی بعض علم ہی مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔ اس سے بڑھ کر جس ہر کا اعتقاد میری طرف کوئی منسوب کرے مفتری کذّاب اور اللہ کے ہاں اس کا حساب"۔ (خالص الاعتقاد صـ۲۳ مطبوعہ بریلی شریف)

فائدہ: اس میں آپ نے اللہ اور اس کے محبوب برحق صلی اللہ علیہ وسلم میں علم کی برابری کا صاف انکار کیا ہے، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر غیب جاننے والا نہیں بنایا تھا بلکہ جب ضرورت ہوتی اللہ تعالیٰ آپ کو غیب پر مطلع فرما دیتے، خود غیب جان لینے کی صفت آپ کو نہ دی گئی تھی کہ جب چاہیں جسے چاہیں اس صفت سے جان لیں بخلاف دیکھنے اور سننے کی صفت کہ یہ ہر انسان کو دی گئی ہے کہ جب چاہیں جسے چاہیں دیکھ سن سکتے ہیں۔

اس میں اس کی بھی تصریح ہے کہ عطاء الٰہی سے بھی بعض کے قائل ہیں کلی علم غیب کے قائل نہیں۔

نیز ملفوظات اعلیحضرت کے ایک عرض و ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت علم غیب کو صفت کمال ہی نہیں سمجھتے، ہم قارئین کی خدمت میں عرض و ارشاد دونوں نقل کرتے ہیں۔

عرض: حضور ایک صاحب پہلے محدث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں مدرسہ میں پڑھتے تھے اب انکی حالت یہ ہے کہ اکثر مخفی باتیں بتلاتے ہیں لوگوں کا ہجوم زیادہ ہے اور نماز وغیرہ کی پابندی نہیں ہے۔

ارشاد: (اعلیحضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا) ایک صاحب اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے تھے آپ کی خدمت میں بادشاہِ وقت قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا، حضور کے پاس کچھ سیب نذر میں آئے تھے، حضور نے ایک سیب دیا اور کہا، کھاؤ عرض کیا حضور

بھی نوش فرمائیں آپ نے بھی کھائے اور بادشاہ نے بھی، اس وقت بادشاہ کے دل میں خطرہ آیا کہ یہ جو سب میں بڑا، اچھا، خوش رنگ سیب ہے، اگر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر مجھ کو دیدیں گے تو جان لوں گا کہ یہ ولی ہیں، آپ نے وہی سیب اٹھا کر فرمایا ہم مصر گئے تھے وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا، دیکھا کہ ایک شخص ہے اس کے پاس ایک گدھا ہے، اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے، ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے، گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے سامنے جاکر سر ٹیک دیتا ہے یہ حکایت ہم نے اس لئے بیان کی کہ اگر یہ سیب ہم نہ دیں تو ولی ہی نہیں اور اگر دیدیں تو گدھے سے بڑھ کر کیا کمال کیا، یہ فرما کر سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔

(اعلیٰحضرت یہ حکایت نقل کر کے فرماتے ہیں) بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لئے ہو سکتی ہے انسان کے لئے کمال نہیں، اور وہ جو غیر مسلم کے لئے ہو سکتی ہے مسلم کے لئے کمال نہیں۔

(ملفوظات حصہ چہارم صفحہ ۱۱)

فائدہ:

قارئین کرام! اعلیٰحضرت نے کس وضاحت سے ارشاد فرمایا کہ جو صفت (مثل غیبی اور پوشیدہ باتیں بتانا اور جان لینا) غیر انسان (یعنی گدھے) کے لئے ہو سکتی ہے انسان کے لئے کمال نہیں۔

علم غیب کلی کی نفی کرنے والوں کو گستاخانِ رسول کہہ کر مرتد اور بے ایمان کہنے والو!

اعلیحضرت کے اس ارشاد کو غور سے پڑھئے، کیا اعلیحضرت بھی گستاخِ رسول تھے؟ انھوں نے ببانگِ دہل فرمادیا کہ مخفی باتوں کا جان لینا غیرِ انسان اور گدھوں کی صفت ہو سکتی ہے لہٰذا انسان کے لئے یہ کوئی کمال نہیں۔

حضرت مولانا دیدار علی شاہ بریلوی کا ارشاد حاضر و ناظر کے بارے میں

آپ لکھتے ہیں:

"لفظ حاضر و ناظر سے اگر حضور و نظور بالذات مثل حضور و نظورِ باری تعالیٰ ہر وقت و لحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ محض غلط و مفضی الی الشرک ہے۔ آلا! اہلِ اسلام میں یہ عقیدہ کسی جاہل اجہل کا بھی نہ ہوگا"

(رسول الکلام فی بیان المولود والقیام ص۱۰۵)

فائدہ: مولانا ابوالبرکات ناظم اعلیٰ حزب الاحناف لاہور کے والدِ گرامی نے پوری وضاحت کردی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہر وقت ہر لحظہ حاضر و ناظر سمجھنا شرکیہ عقیدہ ہے۔ یہ کسی جاہل اُجڈ کا ہی ہو سکتا ہے پڑھے لکھے سمجھدار مسلمان سے اس قسم کی خرافات پر

www.Ahnaf.com

ایمان لانے کی کبھی اُمید نہیں کی جا سکتی ہے۔

ارشاد پیر مہر علی شاہ صاحب کہ متصرف اور مدبّر صرف اللہ ہے

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلاۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لا دیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کل اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو، یہ تب ہو کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دیکر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدۂ اسلام ہے۔"

(مکتوبات طیبات ص۱۲۷)

فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اتنی عزت دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں قسم کھالیں کہ وہ ایسا کر دیگا تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے، لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کام کے لئے خود تصرف کرتے ہیں، وہ کام ان کی دعاء اور اللہ تعالیٰ کے تصرف

سے وجود میں آتا ہے، پوری کائنات میں تصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے وہی مدبر کائنات ہے، نبیوں اور ولیوں کو متصرف اور مختار کل سمجھنے کا عقیدہ اسلام کے خلاف ہے اور الزام تعطل کی وجہ سے باری تعالیٰ کی توہین کو مستلزم ہے۔ شاہ صاحب کی تحریر سے یہ گزارشات روز روشن کی طرح واضح ہیں۔